

## اسلامی تشخص

### ارکانِ اسلام

ارکانِ اسلام سے مراد دین کے وہ بنیادی اصول و اعمال ہیں جن پر اسلام کی پوری عمارت قائم ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

سُبْحَى الْإِسْلَامُ عَلَى تَحْسِينِ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ

الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ" (بخاری۔ مسلم)

ترجمہ: اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر اٹھائی گئی ہے اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ

حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے (آخری) رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔  
کلمہ شہادت:

ارکانِ دین میں سب سے اہم کلمہ شہادت ہے جس کے الفاظ ہیں:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں

اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے (آخری) رسول ہیں۔

توحید کے باب میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ عقیدہ توحید کے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہاں چند اجمالی

اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

کفر و شرک سے نجات:

کلمہ شہادت کا پہلا حصہ یعنی أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ عقیدہ توحید کا ہی اعلان و اعتراف ہے۔ کلمہ شہادت کا

دوسرا حصہ یعنی أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ اس امر کا اعلان ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور سچے رسول ہیں اور

آپ ﷺ کا پیش کردہ دین ہی دینِ حق ہے۔ ان دونوں باتوں کی گواہی دینے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ گو بظاہر توحید و رسالت

دو باتیں ہیں، لیکن دراصل دونوں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کو مانے بغیر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو مان سکتا ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ

کو تسلیم کیے بغیر اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتا ہے۔ چونکہ رسول پر ایمان لانے کے مفہوم میں ان کی بتائی ہوئی تعلیمات کو تسلیم کرنا شامل ہے اس بنا پر

یہ ایک کلمہ پڑھ لینے سے ذہنِ انسانی کو کفر و شرک کے تمام تصورات سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

حقیقی گواہی:

اللہ تعالیٰ کو معبود اور محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس کا آخری نبی تسلیم کر لینے سے گواہی کی ظاہری طور پر ادا لگتی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس زبانی گواہی

کے ساتھ ضروری ہے کہ کلمہ پڑھنے والے کا دل اس گواہی کی تصدیق کرے اور دل کی تصدیق کی عملی صورت اللہ اور اس کے رسول ﷺ

کی اطاعت ہے۔ ایسی اطاعت کہ دل کی تمام خواہشات شریعت اسلامی کے تابع ہو جائیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ“

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے دل کی خواہشات میری (نبی کریم ﷺ) کی اطاعت کے تابع نہ ہو جائیں۔  
انسانی عظمت کا ضامن عقیدہ:

اسلامی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جب مسلمانوں نے اپنے قول و عمل سے توحید و رسالت کی گواہی دی اور اپنے تمام انفرادی و اجتماعی معاملات میں شریعت اسلامی کی کما حقہ پیروی کا اہتمام کیا تو وہ انسانی عظمت کی بلندیوں پر جا پہنچے لیکن جب یہ گواہی دلی تصدیق اور عملی اطاعت سے محروم رہ گئی تو ہماری عزت و عظمت خاک میں مل گئی۔

نماز:

اسلام ایک مکمل اور جامع نظام حیات ہے۔ وہ اپنے پیروکاروں کو چند اعتقادات ہی دے دینے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اُن کی پوری زندگی کو ان اعتقادات کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے عبادات کا ایک نظام مقرر کرتا ہے۔ جو نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے اور سب سے اہم جزو نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات میں سے ایک ارشاد یہ ہے:

أَقِمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿31﴾ (سورۃ الروم: 31)

ترجمہ: قائم رکھو نماز اور مت ہو شرک کرنے والوں میں۔

نبی کریم ﷺ کی بہت سی احادیث نماز کی تاکید پر مشتمل ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے:

رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ

ترجمہ: دین کی اصل بنیاد اللہ اور رسول کے سامنے میرے تسلیم خم کر دینا ہے اور اس عمارت کا ستون نماز ہے۔

نماز کی تاکید:

نماز چونکہ دینی تربیت کا اہم ترین حصہ ہے اس لیے ہر امت پر فرض رہی ہے۔ تمام انبیاء اپنی امتوں کو نماز کی تلقین کرتے رہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ نماز قائم کرنے والے فلاح پائیں گے اور اسے ترک کرنے والے ذلت و خواری کا شکار ہوں گے۔ ایک آیت میں مذکور ہے کہ جب عذاب کے فرشتے جہنمیوں سے عذاب پانے کی وجہ دریافت کریں گے تو وہ اپنے جہنم میں پھینکے جانے کی ایک وجہ یہ بتائیں گے:

قَالُوا لَوْلَا آتَيْنَاكَ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿43﴾ (سورۃ المدثر: 43) ترجمہ: وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے۔

دل و زبان سے اللہ تعالیٰ کو معبود تسلیم کرنے کے بعد اس کے سب سے اہم حکم نماز کی ادائیگی سے انحراف ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کو معبود ماننے سے انکار کے برابر ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعْتِدًا فَقَدْ كَفَرَ (ترمذی)

ترجمہ: جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کافرانہ روش اختیار کی۔

نماز قُرب الہی کا سب سے موثر وسیلہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى يُتَابَعُ رَبَّهُ (بخاری)

ترجمہ:- جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے تو گویا اپنے رب سے چپکے چپکے بات چیت کرتا ہے۔

اسی اہمیت کے پیش نظر قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

أَوَّلُ مَا سُئِلَ سُبُلُ عَنِ الصَّلَاةِ ترجمہ:- قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔

نماز کے فوائد:

1- اللہ تعالیٰ کے سامنے بندہ کی دن میں پانچ مرتبہ حاضری اس کے دل میں یہ احساس تازہ رکھتی ہے کہ وہ اپنے اللہ کا بندہ ہے۔ بندگی کا یہ احساس متواتر نماز پڑھنے سے ایک مسلمان کی فطرت ثانیہ میں بن جاتا ہے۔ اور اس کی پوری زندگی تعمیلی احکام کا عملی نمونہ بن جاتی ہے۔

2- دن میں پانچ مرتبہ قُرب الہی کا احساس مسلمان کو یقین دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کے ساتھ ہے۔ یہ کبھی خود کو تنہا محسوس نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے کا احساس اُسے گناہ کے کاموں سے روکتا ہے اور اس کے دل سے ہر قسم کا خوف اور غم دُور کر دیتا ہے۔

3- نمازوں کے درمیان وقفے میں بھی نمازوں کے اثرات جاری و ساری رہتے ہیں۔ نماز کے بعد گناہ کا خیال آئے تو بندہ سوچتا ہے کہ ابھی تو اپنے اللہ سے دعا کر کے آیا ہوں کہ ”اے اللہ مجھے گناہوں سے بچا“ اور ابھی گناہ کا کام کروں گا تو کچھ دیر بعد اس کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤں گا۔ یہ چیز اسے مستحکم گناہ سے روک رکھتی ہے۔

4- اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی خوشنودی کے حصول کے سلسلے میں پانچ مرتبہ ہاہم ملنے والے افراد کے درمیان محبت و یگانگت پیدا ہوتی ہے جس سے سب کو فائدہ پہنچتا ہے۔

5- نماز باجماعت سے اور بطور خاص جمعہ اور عیدین کی نمازوں سے مسلمانوں میں اجتماعیت کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ جب مسلمان رنگ نسل علاقے اور طبقے کے امتیازات سے بے نیاز ہو کر شانے سے شانہ ملا کر ایک امام کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں تو اس سے ان کے درمیان فکری وحدت کے ساتھ ساتھ عملی مساوات کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے۔

6- اجتماعی شکل میں انجام پانے والے اعمال کی کیفیات انفرادی اعمال کے مقابلے میں زیادہ موثر ہوتی ہیں۔ اسی لیے اجتماعی نماز کا ثواب انفرادی نماز کے مقابلے میں ستائیس گنا زیادہ ہوتا ہے۔

7- نمازیوں کو مسجد میں آتے جاتے دیکھ کر بے نمازوں کو ترغیب و تحریص ہوتی ہے اور وہ بھی نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

8- نماز میں امام کا تقرر اور اس کی بیروی، اجتماعی نظم و ضبط کا شعور پیدا کرتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے تو نماز باجماعت کے لیے مسجد میں نہ پہنچنے والے افراد کے لیے فرمایا تھا کہ جو لوگ نماز کے لیے مسجد میں نہیں آتے اگر مجھے ان کے بیوی بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کے گھروں کو آگ لگوا دیتا۔

بے رُوح نمازیں:

نماز کی ادائیگی کے حذکرہ بالا فوائد و ثمرات آج ہمیں کیوں حاصل نہیں ہوتے؟ غور فرمائیے! ہم میں سے کتنے افراد ہیں؟ جو نماز

باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں، اُس کے کلمات و اوراد کے معنی و مفہوم سے آشنا ہیں، نماز میں حضوری قلب سے بہرہ مند ہیں، اور نماز کے اہم ترین مقصد سے بخوبی آگاہ ہیں۔ قرآن کریم میں نماز کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْفِي عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ط (سورۃ العنکبوت: 45)

ترجمہ:- بے شک نماز روکتی ہے۔ بے حیائی اور بری بات سے۔

دراصل آج ہماری نمازیں بے حقیقت ہیں۔ ایسے ہی جیسے کوئی پھول ہو بغیر خوشبو کے، یا جسم ہو بغیر روح کے۔

روزہ:

روزہ دین اسلام کا بنیادی رکن ہے اور قرآن حکیم کے بیان کے مطابق یہ پہلی امتوں پر بھی فرض رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾ (سورۃ البقرہ: 183)

ترجمہ:- اے ایمان والو! فرض کیے گئے تم پر روزے جیسے فرض کیے گئے تھے تم سے اگلوں پر تاکہ تم پر ہیز گار ہو جاؤ۔

مذکورہ بالا آیت سے جہاں روزے کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے وہاں اس کو فرض کرنے کی حکمت بھی معلوم ہوتی ہے اور وہ ہے تقویٰ کا حصول۔

تقویٰ:

تقویٰ کا مفہوم پرہیز گاری ہے۔ تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو انسان کو برائیوں سے روکتی اور نیکیوں کی طرف راغب کرتی ہے۔

ضبطِ نفس:

انسان کو نیکی کے راستے سے روکنے اور برائی کے راستے پر ڈالنے والی اہم چیز خواہشِ نفس ہے۔ خواہشات اگر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تابع رہیں تو انسان کی انفرادی اور اجتماعی خوبیوں کے فروغ کا سبب بنتی ہیں۔ لیکن جب یہ ہدایت ربانی کے تابع نہیں رہتیں تو انسان کو حیوانی سطح سے بھی گرا دیتی ہیں۔ روزے کا اصل مقصد انسان کی خواہشات کو احکامِ الہی کے تابع کر کے اسے متقی بنانا ہے۔ جو شخص ہر سال ایک مہینہ تک اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اپنی بنیادی خواہشات پر قابو پانے کی مشق کا میابی سے کھل کر لے، اسے ضبطِ نفس کی وقوت حاصل ہو جاتی ہے جس سے وہ شیطان کی ہر ترغیب کا آسانی سے مقابلہ کر سکتا ہے۔

جب ایک انسان رمضان کے پورے مہینے میں کھانے پینے اور نفسانی خواہشات پر قابو رکھتا ہے نیز دیگر اخلاقی برائیوں سے اجتناب کرتے ہوئے اپنا اکثر وقت عبادات اور نیک کاموں میں گزارتا ہے تو اس کی طبیعت میں نیکی کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بدی سے نفرت ہو جاتی ہے۔ روزہ خواہشات پر قابو پانے کی تربیت کے ساتھ ساتھ انسان کی انانیت (خود پسندی) کا بھی مؤثر علاج ہے۔ جب انسان بھوک اور پیاس کی شدت میں کھانے پینے کی چیزیں پاس ہوتے ہوئے بھی خود کو کھانے پر قادر نہیں پاتا تو اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بے چارگی کا احساس ہوتا ہے۔ اور یہ احساس جب دائمی کیفیت بن جائے تو اس میں ہر خلافِ شریعت عمل سے رک جانے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ارشاد فرمایا ہے ”ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے گئے روزوں سے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں“ وہاں یہ بھی فرمایا ہے ”بہت سے روزے دار ایسے ہیں کہ جن کو اپنے روزوں سے بھوک اور پیاس کی اذیت کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا“ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلِ بِهِ فَلَيْسَ يَلْبُو حَاجَةً فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرِبَتَهُ (بخاری)

ترجمہ: اگر کوئی شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ اور لٹلہ کاریوں سے نہیں بچتا تو اس کا کھانا پینا چھوڑنے سے اللہ کو کوئی دلچسپی نہیں۔

## روزوں کا ثواب:

جو روزے نبی اکرم ﷺ کے قول کے مطابق ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے جائیں ان کے ثواب کا اندازہ درج ذیل حدیثوں سے ہوگا:

”كُلُّ عَمَلٍ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزَلِي بِهِ“ (مسلم)

ترجمہ: آدمی کے ہر عمل کا ثواب (اللہ تعالیٰ کے یہاں) دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہو جاتا ہے (لیکن روزے کی توہات ہی کچھ اور ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مگر روزہ تو خاص میرے لیے ہے اس لیے اس کا ثواب میں اپنی مرضی سے (جتنا چاہوں گا) دوں گا۔

مَنْ فَطَّرَ فِيهِ صَائِمًا كَانَ مَغْفِرًا قَلِيلًا تَوْبِهِ وَعَشَقُ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهُ مِثْلُ أُجْرِهِ  
مَنْ غَلَبَ أَنْ يَنْتَقِضَ مِنْ أُجْرِهِ شَيْئًا (سنن ابن ماجہ - ترمذی)

ترجمہ: جو شخص اس (رمضان) میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے گا اس کے گناہوں کے لیے معافی ہے اور وہ خود کو جہنم کی آگ سے بچالے گا۔ اور اسے روزہ دار جتنا ہی ثواب ملے گا جبکہ اس روزہ دار کے اپنے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

## روزہ کے اجتماعی فوائد:

یوں تو روزہ ایک انفرادی عبادت ہے لیکن اس کے درج ذیل فوائد بھی ہیں:

- 1- مہینہ بھر بھوکا پیاسا رہ کر انسان کو دوسرے کی بھوک پیاس کا احساس ہوتا ہے اور دل میں ناداروں کے لیے بہر روزی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔
- 2- کم سے کم غذا پر اکتفا کی عادت انسان میں قناعت و ایثار کی صفات پیدا کرتی ہے۔
- 3- ایک ہی وقت میں پوری ملت اسلامیہ کا ایک عبادت میں مصروف رہنا باہمی یگانگت کے فروغ کا سبب بنتا ہے۔ اس اعتبار سے نبی اکرم ﷺ نے ماہ رمضان کو موافقات اور تمکساری کا مہینہ قرار دیا ہے۔
- 4- ایک ماہ تک دن کے بڑے حصے میں معدے کا خالی رہنا صحت پرسانی کے لیے مفید ہوتا ہے۔

## رمضان المبارک اور قرآن حکیم:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۗ  
فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ \* (سورۃ البقرہ: 185)

ترجمہ: مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اس کے۔

## نزول قرآن کی یادگار:

اس مہینے میں روزوں کی فریضت یہ معنی رکھتی ہے کہ انسان جب تک روزوں کے ذریعے تقویٰ حاصل نہ کرے وہ اس پاک کتاب سے جو متقیوں کے لیے ہدایت ہے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

## رمضان اور پاکستان:

یوں تو رمضان المبارک پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے رحمت و مغفرت کا مہینہ ہے لیکن ہم پاکستانی مسلمانوں کے لیے اس مہینہ اور اس کی ایک مبارک شب کی خاص اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک رات میں ہمیں آزادی عطا فرمائی تھی۔ رمضان کی ستائیسویں شب کو پاکستان کی تشکیل گویا اس حقیقت کی طرف اشارہ تھا کہ اس مملکت خدا داد میں اسی کتاب مقدس کا نظام زندگی نافذ کیا جائے جو اس مبارک شب میں نازل ہوئی اور ہم نے پاکستان کا مطالبہ کیا بھی اسی غرض سے تھا کہ یہاں اسلامی نظام حیات نافذ کیا جائے۔ اس اعتبار سے رمضان المبارک تشکیل پاکستان کی سالگرہ اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے ہمارے عہد کی تجدید کا موقع بھی ہے۔

بے اثر روزے:

آج ہمارے روزوں سے وہ فیوض و برکات ظاہر نہیں ہوتے جن کا ہم اوپر کی طور میں تذکرہ کر چکے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم روزے کے اصل مقصد تقویٰ (ضبط نفس) سے بے خبر ہیں۔ اس کی اہم شرائط ایمان اور احتساب دونوں سے غافل ہیں۔ جس طرح ہماری نمازیں دکھاوے کی ہیں ویسے ہی ہمارے روزے نمائشی ہیں۔

زکوٰۃ:

انسانی معاشرے کی تشکیل میں نظام معیشت بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو نظام معاشرت کی طرح نظام معیشت کے بھی بہترین ضابطے عطا فرمائے ہیں۔ اگر ان ضابطوں پر عمل کیا جائے تو معاشی عدل قائم رہتا ہے اور ان کو ترک کر دینے سے نا انصافی جنم لیتی ہے جو متحدہ خرابیوں کا باعث بنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ معاشی نظام میں زکوٰۃ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ کچھ اس سے بھی ہوتا ہے کہ قرآن میں اکثر مقامات پر ادا نہیں نماز کے ساتھ ہی ادا نہیں زکوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ نماز اگر بدنی عبادت ہے تو زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ نظام زکوٰۃ کی اسی حیثیت کے پیش نظر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں سے باوجود یہ کہ وہ کھڑے گوتھے جہاد کیا اور فرمایا کہ میں اپنی زندگی میں ان دونوں فرائض کی تعمیل میں کوئی فرق نہیں ہونے دوں گا۔

زکوٰۃ کے لغوی معنی پاک کرنے کے ہیں۔ جو انسان زکوٰۃ ادا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نہ صرف اپنے مال کو پاک کر لیتا ہے بلکہ اس کے ذریعے اپنے دل کو بھی دولت کی ہوس سے پاک کرتا ہے اور دولت کے مقابلے میں اس رب کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے جس کے حکم پر وہ دولت کو قربان کر رہا ہے۔ ادا نہیں زکوٰۃ اسے یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ جو دولت وہ کماتا ہے وہ حقیقت میں اس کی ملکیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت ہے۔ یہ احساس اسے معاشی بے راہروی سے بچاتا اور اس کے تمام اعمال کو ادا کام الہی کا تابع کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق معاشی معاملات دین کا اہم حصہ ہیں۔ جب انسان دولت جیسی نعمت اللہ تعالیٰ کے حکم پر خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایثار کی قدر کرتے ہوئے اس خرچ شدہ مال کو اپنے ذمے قرض قرار دیتا ہے۔ اور وعدہ فرماتا ہے کہ بندے کا یہ قرض وہ کئی گنا بڑھا کر واپس کرے گا۔ ارشاد باری ہے:

إِنْ تَقْرَضُوا مِنَ اللَّهِ قَرْضًا حَسَنًا لِيُضْعِفَهُ لَكُمْ وَيَغْفِرَ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٧﴾ (سورۃ النہان: 17)

ترجمہ:- اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا تو وہ دو چنہ کرے اس کو تمہارے لیے اور تم کو بخشے اور اللہ قدر دان ہے اور رحیم والا۔

اس کے مقابلے میں جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ يَكْنُزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَبَسَتْ لَهُمْ عَذَابَ أَلِيمٍ (سورہ النور: 34)  
ترجمہ:- اور جو لوگ گاڑھ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سوان کو خوش خبری سناؤ عذاب دردناک کی۔  
ان آیات کی زکوٰۃ کی ادائیگی انسان کے لیے آخرت کی نعمتوں کے حصول اور عذاب جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔

## زکوٰۃ کے فوائد

### ۱۔ معاشی فوائد:

1- چونکہ سودی نظام معیشت میں محنت کے مقابلے میں سرمایہ کی افادیت کہیں زیادہ ہے اس لیے محنت کش اور کارکن طبقہ مسلسل غریب سے غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور سرمایہ دار مختلف طریقوں سے اس کی دولت ہتھیاتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح معاشی نظام مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ زکوٰۃ اس صورت حال کا بہترین حل ہے۔ اس نظام کے ذریعے دولت کا ایک دھارا امیر طبقے سے غریب طبقے کی جانب بھی مڑ جاتا ہے۔ جس سے غریب کی معاشی حالت بہتر ہو جاتی ہے۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

يَمْخُضُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيذِي الصَّدَقَاتِ ط (سورہ البقرہ: 276)

ترجمہ: مناتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔

2- ادائیگی زکوٰۃ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعے پیدا ہونے والی کمی کو پورا کرنے کے لیے صاحب مال اپنی دولت کسی نہ کسی منفعت بخش کاروبار میں لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے جس سے سرمایہ کاری میں اضافہ ہوتا ہے۔ چونکہ زکوٰۃ کی شرح صرف اڑھائی فیصد ہے لہذا صاحب مال یہ رقم دیگر قسم کے بھاری ٹیکسوں کے مقابلے میں خوش دلی اور دیانت داری سے ادا کرتا ہے۔ اور اپنا سرمایہ پوری آزادی سے کاروبار میں لگاتا ہے۔ جب کہ بھاری ٹیکسوں کی ادائیگی کے خوف سے سرمایہ چھپانے کا رجحان بڑھتا ہے۔ جس سے ملکی معیشت کمزور ہو جاتی ہے۔

### ب۔ معاشرتی فوائد:

معاشرے میں دولت کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو انسانی جسم میں خون کی۔ اگر یہ سارا خون صرف دل (یعنی مالدار طبقے) میں جمع ہو جائے تو پورے اعضائے جسم (یعنی عوام) کو مفلوج کر دینے کے ساتھ ساتھ خود دل کے لیے بھی مضرت ثابت ہوگا۔ اگر ایک طرف مفلس طبقہ ناداری کے مصائب سے دوچار ہوگا تو دوسری طرف صاحب ثروت طبقہ دولت کی فراوانی سے پیدا ہونے والے اخلاقی امراض (مثلاً عیاشی، آرام کوشی اور فکر آخرت سے غفلت شعاری) کا شکار ہو جائے گا۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں ان دونوں طبقوں میں حسد اور حقارت کے علاوہ کوئی اور رشتہ باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ کشیدگی بڑھتی ہی جائے گی۔ اور کسی نہ کسی بہانے ضرور تنگ لاکر رہے گی۔  
ان تمام انفرادی و اجتماعی فوائد کے پیش نظر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مدینے کی اسلامی ریاست کے قیام کے فوراً بعد یہ ہدایت کی گئی۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (سورہ النور: 103)

ترجمہ: اُن کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کر لو کہ اس سے تم اُن کو پاک اور پاکیزہ کرتے ہو۔

## زکوٰۃ کے مصارف:

تقسیم زکوٰۃ کی مدت بھی اللہ تعالیٰ نے خود متعین فرمادی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفَقْرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْغُلَامِينَ وَالْعَلِيَّةِ وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبِهِمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَرَامِينَ  
وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ طَقْرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (سورة التوبہ: 60)

ترجمہ: زکوٰۃ تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق ہے جو اس پر مقرر ہیں۔ نیز ان کا جن کی دل جوئی منظور ہے۔ اور زکوٰۃ کو صرف کیا جائے گا گردنوں کے چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کی امداد میں۔ یہ سب فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے۔

اس آیت کی روشنی میں مصارف زکوٰۃ درج ذیل ہیں:

1- ان تنگ دست لوگوں کی اعانت جن کے پاس کچھ نہ ہو۔

2- ان لوگوں کی اعانت جو زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم ہیں۔

3- زکوٰۃ کی وصولی پر متعین عملے کی تنخواہیں۔

4- ان لوگوں کی اعانت جو نو مسلم ہوں تاکہ ان کی تالیف قلب ہو سکے۔

5- غلاموں اور ان لوگوں کو آزاد کرنے کے مصارف جو قید و بند میں ہوں۔

6- ایسے لوگوں کے قرضوں کی ادائیگی جو نادار ہوں۔

7- جہاد فی سبیل اللہ اور تبلیغ دین میں جانے والوں کی اعانت میں۔

8- مسافر جو حالت سفر میں مالک نصاب نہ ہو گواپنے گھر پر دولت رکھتا ہو۔

جب اسلامی نظام حکومت قائم ہو تو اجتماعی زکوٰۃ دینا لازم ہوگا البتہ اگر کسی خطہ زمین میں مسلمان غیر اسلامی حکومت کے زیر فرمان

آجائیں تو اس صورت میں تنظیموں یا باہمی تعاون کے دوسرے اداروں کے ذریعے زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔

## زکوٰۃ کا نصاب:

زکوٰۃ ان لوگوں پر فرض ہے جن کے پاس ایک خاص مقدار میں سونا، چاندی، روپیہ یا سامان تجارت ہو۔ اس خاص مقدار کو نصاب اور

ایسے لوگوں کو "صاحب نصاب" کہتے ہیں۔ مختلف اشیاء کا نصاب یہ ہے:

1- سونا: ساڑھے سات تولے۔

2- چاندی: ساڑھے باون تولے۔

3- روپیہ، پیسہ اور سامان تجارت: سونے چاندی دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر۔



ادائیگی زکوٰۃ کے چند اصول (مسائل):

- 1- زکوٰۃ صرف مسلمانوں ہی سے لی جاتی ہے۔
- 2- کسی مال پر زکوٰۃ کی ادائیگی اُس وقت فرض ہوتی ہے جب اُسے جمع کیے ہوئے پورا ایک سال گزر چکا ہو۔
- 3- وہ عزیز و اقارب جن کی کفالت شرعاً فرض ہے، مثلاً ماں باپ، بیٹا، بیٹی، شوہر، بیوی وغیرہ انھیں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ البتہ ذور کے عزیز وغیروں کے مقابلے میں قابل ترجیح ہیں۔
- 4- عام حالات میں ایک بستی کی زکوٰۃ خود اسی بستی میں تقسیم ہونی چاہیے۔ البتہ اس بستی میں مستحق زکوٰۃ کے نہ ہونے یا کسی دوسری بستی میں ہنگامی صورت حال مثلاً سیلاب، زلزلہ، قحط وغیرہ کے مواقع پر زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔
- 5- زکوٰۃ دینے والوں کو چاہیے کہ زکوٰۃ لینے والے کے مستحق زکوٰۃ ہونے کا ممکن حد تک اطمینان کر لیں۔
- 6- زکوٰۃ کی رقم سے ضرورت کی اشیاء بھی خرید کر دی جاسکتی ہیں۔
- 7- مستحق زکوٰۃ کو بتانا بھی ضروری نہیں کہ یہ پیسہ یا مال زکوٰۃ کا ہے۔

الحمد لله! ہمارے ملک میں نظام زکوٰۃ کا نفاذ ہو چکا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اس کی کامیابی کے لیے ہر ممکن تعاون کریں تاکہ اس کی برکت سے ہمارا معاشرہ دنیا کے لیے مشعل راہ بن سکے۔

زکوٰۃ کے جملہ فوائد و ثمرات تب ہی ظاہر ہو سکتے ہیں جب ہر صاحب مال اللہ جل شانہ کی خوشنودی کو اپنا لائحہ عمل بنائے اور اسلام کے فیض رسانی اور نفع بخشگی کے جذبہ کو طوطا خاطر رکھے۔ خصوصاً زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا انتظام اجتماعی طور پر قائم و دائم ہو۔

## حج

ارکان اسلام میں حج کی اہمیت کا اندازہ قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے بخوبی ہوتا ہے۔

وَيَلْبُو عَلَى النَّاسِ حَجَّ الْأَيْمَنِ مَنِ اسْتَقَطَ عَلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَفِيْرٌ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (سورۃ آل عمران: 97)

ترجمہ: اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پر وہ نہیں رکھتا جہاں کے لوگوں کی۔ مراد یہ ہے کہ یہ جامع عبادت اللہ تعالیٰ کی خاطر فرض کی گئی ہے۔ اور اس کا اپنے بندوں پر یہ حق بھی ہے لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کی کوئی اپنی غرض و اہمیت نہیں۔ بلکہ اس کے ذریعے بندوں کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے۔ ادائیگی حج کا سب سے بڑا فائدہ گناہوں کی بخشش ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ حَجَّ بِلَّهِ فَلَهِ يَوْمًا وَلَهُ يَغْفِرُ رَجْعَ كَيْبُورٍ وَلَدَنْتُهُ أَقْبَهُ (بخاری)

ترجمہ:- جو کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حج کرتا ہے اور دوران حج فسق و فجور سے باز رہتا ہے۔ وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر

لوٹتا ہے گویا ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

اپنے گناہ گار بندوں کو دنیا ہی میں پاک صاف کر دینے کا یہ انتظام جہاں اللہ تعالیٰ کے کرم کی دلیل ہے وہیں اس سے فائدہ نہ اٹھانا حد

درجہ کی ناشکری اور بدبختی ہے۔ حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ لَمْ يَمْتَنِعْهُ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ أَوْ سُلْطَانٌ جَائِزٌ أَوْ مَرَضٌ حَائِسٌ  
فَلَمْ يَخْجَ فَلَيْسَتْ إِنْ شَاءَ يَهُودِيًّا وَإِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا

ترجمہ: جس (صاحب استطاعت) شخص کو نہ کوئی ظاہری ضرورت حج سے روک رہی ہو نہ کوئی ظالم بادشاہ اس کی راہ میں حائل ہو اور نہ کوئی روکنے والی بیماری اسے لاحق ہو اور پھر بھی وہ حج کے بغیر مر جائے تو وہ ایک مسلمان کی نہیں کسی یہودی یا نصرانی کی موت مرے گا۔

جامعیت:

حج جیسی عبادت میں باقی تمام عبادت کی روح شامل ہے۔ حج کے لیے روانگی تک وہ ایسی تک دوران سفر نماز کے ذریعے قرب خداوندی میسر آتا ہے۔ حج کے لیے مال خرچ کرنا زکوٰۃ سے مشابہت رکھتا ہے۔ نفسانی خواہشات اور اخلاقی برائیوں سے پرہیز اپنے اندر روزے کی سی کیفیت رکھتا ہے۔ گھر سے دوری اور سفر کی صعوبت میں جہاد کا رنگ ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ”سب سے افضل جہاد حج مبرور (مقبول) ہے“ آپ ﷺ کے اسی ارشاد گرامی کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ”حج کا سامان تیار رکھو کہ یہ بھی ایک جہاد ہے“

زائرین خانہ کعبہ کی قلبی کیفیات:

اگر حج کے مناسک پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر مرحلہ اپنے اندر اخلاقی و روحانی تربیت کا سامان رکھتا ہے۔ جب ایک شخص اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر ذیوی دلچسپیوں سے منہ موڑ کر اور دو آن کلی چادریں اوڑھ کر ”لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ“ کی صدا میں بلند کرتے ہوئے بیت اللہ شریف میں حاضر ہوتا ہے تو اس کا یہ سفر ایک طرح سے سفر آخرت کا نمونہ بن جاتا ہے۔

اس دینی ماحول اور پاکیزہ فضا میں جب وہ مناسک حج ادا کرتا ہے تو اس کی حالت ہی عجیب ہوتی ہے۔ میدان عرفات کے قیام میں اسے وہ بشارت یاد آتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی صورت میں مسلمانوں پر اپنی نعمت کی تکمیل کا ذکر فرمایا ہے۔ اسے حضور اکرم ﷺ کے مبارک خطبے کی بے مثال ہدایات یاد آتی ہیں۔ اسے یہ حکم یاد آتا ہے کہ ”میرے بعد گمراہی سے بچنے کے لیے قرآن اور حدیث کو مضبوطی سے تھامے رہنا۔“ قربانی کرتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بے نظیر قربانیاں یاد آتی ہیں۔ وہ سوچتا ہے جملہ قربانیوں کے مقابلے میں نفس کی چھوٹی موٹی خواہشات کی قربانی کی حقیقت ہی کیا ہے؟ میرا تو مرنا جینا بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہونا چاہیے۔ ایسے میں اس کے لبوں پر یہ کلمات جاری ہوتے ہیں:

إِنْ صَلَوَتِي وَنُسُكِي وَمَحَبَّتِي لِلَّهِ وَرَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ

وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝ (سورۃ الانعام: 163-162)

ترجمہ:- کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے۔ کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں۔

مقام منیٰ میں وہ اس عزم کے ساتھ اپنے ازلی دشمن شیطان کو نکلریاں مارتا ہے کہ اب اگر یہ میرے اور میرے اللہ کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کرے گا تو اسے پہچاننے میں غلطی نہیں کروں گا۔ جب وہ بیت اللہ کے سامنے پہنچتا ہے تو اس کی روح اس خیال سے وجد میں آجاتی ہے کہ جس گھر کی زیارت کی تمنا تھی وہ آج نظر کے سامنے ہے۔ اللہ سے لو لگائے رکھنے کی یہ کیفیت حاجی کے کام آتی ہے۔ طواف کے بعد وہ صفا اور مردہ کے درمیان سعی کرتا ہے تو گویا زبان حال سے کہتا ہے کہ اے اللہ تیرے قُرب سے حاصل ہونے والی اس قوتِ ایمان کو میں تیرے دین کی سر بلندی کے لیے وقف کر دوں گا اور عمر بھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کروں گا۔ دل کی یہی تمنا دعا بن کر اس طرح لبوں تک آجاتی ہے۔

اللَّهُمَّ اسْتَعْمِلْنِي بِسُنَّةِ نَبِيِّكَ وَتَوْفَّقْنِي عَلَى مِلَّةِهِ وَأَعِزَّنِي مِنْ مُضِلَّاتِ النَّفْسِ

ترجمہ:- اے میرے اللہ! مجھے اپنے نبیؐ کے طریقے پر کار بند رکھ اور اس پر عمل کرتے ہوئے مجھے اپنے پاس بلا لے۔ اور نفسانی لغزشوں سے مجھے محفوظ فرما دے۔

### فوائد:

- 1- حج کا اصل فائدہ یاد الہی اور اللہ تعالیٰ کا تقرب ہے۔ لیکن دیگر ارکان دین کی طرح اس کے بھی متعدد معاشرتی و اخلاقی فوائد ہیں۔ اس موقع پر دنیا کے مختلف علاقوں سے آنے والے افراد حج کی برکت سے گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ساتھ ایمان اور تقویٰ کی پاکیزگی کی جو دولت لے کر لوٹتے ہیں وہ ان کے ماحول کی اصلاح کا سبب بھی بن جاتی ہے۔
- 2- حج کا یہ عظیم الشان اجتماع ملتِ اسلامیہ کی شان و شوکت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جب دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے مسلمان رنگ و نسل، قوم و وطن کے امتیازات سے بلند و بالا ہو کر ایک ہی کلمہ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ دہراتے ہیں۔ ایک ہی کیفیت میں سرشار اپنے رب کی پکار پر لپکے جا رہے ہوتے ہیں تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے نداء کارسپا ہیوں کی ایک فوج معلوم ہوتے ہیں۔
- 3- حج کا ایک اہم تجارتی اور اقتصادی فائدہ یہ بھی ہے کہ مختلف ممالک سے آنے والے حجاج خرید و فروخت کے ذریعے معاشی نفع حاصل کرتے ہیں۔

### حج مقبول:

حج کے مذکورہ بالا اجتماعی و انفرادی فوائد سے ہم جب ہی متنبع ہو سکتے ہیں جب ہمارا مقصد رضائے الہی ہو۔ ہماری سرگرمیوں کا مرکز و محور دین حق کی سر بلندی ہو اور حج کے روحانی مقاصد پر نظر جمی رہے۔ تبھی ہمارا حج 'حج مقبول' و مبرور ہو سکتا ہے۔

## جہاد

### جہاد:

جہاد کے لغوی معنی کوشش کے ہیں اور دینی اصطلاح میں اس سے مراد وہ کوشش ہے جو دین کی حفاظت اور فروغ اور امت مسلمہ کے دفاع کے لیے کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا کا حاکم مان لینے کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی زندگی کے جملہ معاملات میں اس کے احکام کی

بیرونی کرے۔ نیز اس کے مقابلے میں کسی اور کا حکم نہ چلنے دے۔ اگر کوئی طاقت "اقتدارِ اعلیٰ" اپنے ہاتھ میں لے کر اپنا قانون نافذ کرنا چاہے تو وہ جان پر کھیل کر اس کا مقابلہ کرے۔ اسلام کی جملہ عبادات انسان میں یہی جذبہ فداکاری پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں، اس جذبے کے بغیر نہ اسلام کی بھانسن ہے نہ فروغ۔ جہاد کی چند اہم اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

### 1- خواہشِ نفس کے خلاف جہاد:

اطاعتِ الہی سے روکنے والی پہلی قوت انسان کی اپنی خواہشات ہیں۔ جو ہر وقت اس کے دل میں موجزن رہتی ہیں۔ اور اسے ان کی سرکوبی کے لیے ہر وقت چوکنا رہنا پڑتا ہے۔ لہذا خواہشاتِ نفس کے خلاف جہاد کو نبی اکرم ﷺ نے "جہادِ اکبر" کا نام دیا ہے۔ اور یہ جہاد کا وہ مرحلہ ہے جسے سر کیے بغیر انسان جہاد کے کسی اور میدان میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔

### 2- شیطان کے خلاف جہاد:

اپنے نفس پر قابو پالینے کے بعد ان شیطانوں سے غمنا ضروری ہوتا ہے۔ جو اللہ کے بندوں کو اپنی اطاعت اور بندگی پر مجبور کر رہے ہوں۔ قرآن حکیم اس قسم کی ہر قوت کو طاعنوت کا نام دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ (سورۃ النساء: 76)

ترجمہ:- جو لوگ ایمان والے ہیں سولڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں سولڑتے ہیں شیطان کی راہ میں۔

یہ طاعنوتی قوتیں مسلمان معاشرے کے اندر غلط رسم و رواج کی شکل میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور اسلامی معاشرے کے باہر غیر اسلامی ممالک کے غلبے کی شکل میں بھی۔ چنانچہ ان طاعنوتی طاقتوں سے غمنا کے طریقے بھی مختلف ہیں۔ کہیں ان سے زبان و قلم کے ذریعے نمٹا جاتا ہے۔ اور کہیں قوت و طاقت کے ذریعے۔ اس بارے میں قرآن مجید ایک جامع ہدایت دیتا ہے۔

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۗ (سورۃ النحل: 125) ترجمہ:- اور ان کے ساتھ بحث کیجئے پسندیدہ طریقوں سے۔

اگر جہاد کا سچا جذبہ دل میں موجزن ہو تو مومنانہ بصیرت ہر موقع پر مناسب راہیں بھجادیتی ہے۔ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بہترین رہنمائی کرتا ہے۔

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ

وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ (مسلم)

ترجمہ: تم میں سے جو کوئی بدی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے (قوت سے) روکے۔ اگر اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے

اور اگر اس کی بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو اسے دل سے برا سمجھے (اور یہ بدی کو محض دل سے برا سمجھنا) ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

### 3- جہادِ بالسیف:

حق و باطل کی کشمکش میں وہ مقام آکر رہتا ہے جب طاعنوتی قوتیں حق کا راستہ روکنے اور اسے مٹانے کے لیے سرد جنگ سے آگے بڑھ

کر کھلی جنگ پر تڑپتی ہیں اور مسلمانوں کو ملتی تحفظ اور بقائے دین کے لیے ان سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ اس کی دو اقسام ہیں:

### (ا) مدافعتی جہاد:

اگر کوئی غیر مسلم قوت کسی مسلمان ملک پر حملہ کر دے تو اس ملک کے مسلمانوں پر اپنے دین و ایمان، جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی خاطر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ مسلمان ممالک اور اسلامی معاشرے کو غیر مسلموں کے تسلط سے محفوظ رکھنے کے سلسلے میں جو بھی کوشش کی جائے گی وہ جہاد شمار ہوگی۔ مدافعتی جہاد کی ایک قسم یہ ہے کہ اگر کسی غیر مسلم ریاست کی مسلمان رعایا پر محض اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ظلم و ستم ڈھایا جا رہا ہے تو عالم اسلام اسے ظلم و ستم سے نجات دلانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

### (ب) مصلحانہ جہاد:

جو شخص کلمہ طیبہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا اقرار کرتا ہے اس پر لازم آتا ہے کہ وہ ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور نبی اکرم ﷺ کی شریعت نافذ کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا ایک اہم مقصد دین حق کا قیام بتایا ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَ فَا عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۗ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ○ (سورہ انفج: 33)

ترجمہ:- اس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر تاکہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر اور اگرچہ بڑا مانع مشرک۔

مزید برآں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ (سورہ انفج: 39)

ترجمہ: اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد اور ہو جاوے دین سب اللہ کا۔

### جنگ اور جہاد:

مخالفین اسلام ہمارے دین کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ یہ دین تلوار کے زور سے پھیلا جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں۔ مسلمان کی تلوار اور کافر کی شمشیر دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کافر کی جنگ کا مقصد کسی مخصوص فرد، گروہ یا قوم کی ہوس ملک گیری، جذبہ برتری یا معاشی غلبے کے جذبے کی تسکین ہوتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ ہر ممکن ظلم، دہشت گردی اور سفاکی سے کام لیتا ہے اور کامیاب ہو جانے کی صورت میں مفتوحین کی جان و مال اور عزت و آبرو ہر چیز کو غارت کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس مسلمان کے جہاد کا مقصد انسانوں کو طائفی قوتوں کے غلبے سے نجات دلانا، ان کے شرف اور ان کی آزادی کو بحال کرنا ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ خود کو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ضابطہ جنگ کا پابند رکھتا ہے۔ جس میں اس کی ذاتی منفعت کا شائبہ تک شامل نہیں ہوتا۔ اس کی تلوار کی زد محض برسر جنگ افراد تک محدود رہتی ہے اور پھر جب وہ فتح حاصل کرتا ہے تو مفتوح قوم کو اپنے جذبہ انتقام کا نشانہ بنانے کی بجائے ان کے لیے امن و سلامتی کی فضا فراہم کرتا ہے اور انھیں اسلام کی ان برکات سے بہرہ ور کرتا ہے جس میں بحیثیت انسان تمام انسانوں کے حقوق یکساں ہیں۔ چنانچہ جب غیر مسلم رعایا کو مسلمانوں کا نظام عدل، نظام اخلاق، نظام سیاست و حکومت اور نظام عبادات پسند آ جاتا ہے تو وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں اور ان کی اس ذہنی تبدیلی کا سہرا تلوار کے سر نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات اور مجاہدین اسلام کے اعلیٰ کردار کے سر ہے۔ تلوار کا کام تو صرف اتنا ہے کہ اسلام کے

عادلانہ نظام اور عالم اسلام کے درمیان جولادینی قوتیں رکاوٹ بنی پڑی ہوں ان کا صفایا کر دے۔

## جہاد کے فضائل:

قرآن حکیم اور کتب احادیث میں جہاد کے متعدد فضائل بیان ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ مُجِبُّ الدِّينِ لِيُقَاتِلَ فِي سَبِيلِهِ مَنَّا صَفًّا كَمَا أَنَّهُمْ بُدِّيَانٌ مِّنْ صَوْصٍ ○ (سورة البقرة: 4)

ترجمہ: اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں قطار باندھ کر گویا وہ دیوار ہیں سب سے پلائی ہوئی۔

حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے ”قسم ہے اللہ کی جس کی مٹھی میں محمد کی جان ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے ایک صبح یا ایک شام کا سفر دنیا و مافیہا کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اللہ کی راہ میں دشمن کے مقابل آ کر ٹھہرے رہنے کا ثواب گھر میں ستر نمازوں سے زیادہ ہے“ بلاشبہ یہ جہاد کی عظمت اور شہادت کی تڑپ ہی کا جذبہ تھا کہ قرون اولیٰ کے مسلمان دنیا پر چھائے رہے اور پورے کرۂ ارض پر ان کی عظمت و شوکت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

## اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت و اطاعت

### اللہ تعالیٰ کے احسانات:

اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف زندگی ہی نہیں دی بلکہ زندگی بسر کرنے کے تمام لوازمات بھی عطا فرمائے ہیں۔ اس کی عنایات کا شمار اور اس کے کرم کا حساب ممکن نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا \* (سورة ابراہیم: 34) ترجمہ:- اور اگر گنوا احسان اللہ کے نہ گن سکو۔

کیسے ممکن ہے کہ نعمتوں کی یہ کثرت و فراوانی انسان کے دل میں اپنے رحیم و کریم آقا کے لیے وہ جذبہ محبت و احسان مندی نہ پیدا کرے جس کے بارے میں قرآن حکیم کہتا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ \* (سورة البقرہ: 165)

ترجمہ:- اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت سب سے قوی رکھتے ہیں۔

### رسول اللہ ﷺ کے احسانات:

اللہ تعالیٰ کے بعد ہماری محبت کے مستحق اس کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ ہی کی ذات بابرکات کی طفیل ہمیں اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت، دولت و دین میسر آئی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی راہ میں جس قدر تکالیف مجھے دی گئیں کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں اور وہ سب تکالیف آپ ﷺ نے اس غرض سے برداشت کیں کہ امت آخرت کی تکالیف سے بچ جائے۔ حضور اکرم ﷺ کی محبت کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ كُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدَيْهِ وَوَلَدَيْهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے اپنے والدین اپنی اولاد

اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ میں محبوب نہ ہو جاؤں۔